درس ۸

ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات

سورۃ التغابن کی روشنی میں

—— (۲) ——

صفحاتِ گزشتہ میں سورۃ التغابن کے پہلے رکوع کا مطالعہ مکمل ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس رکوع کی کُل دس آیتوں میں سے پہلی سات آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی توحید' معاد اور رسالت کا بیان بھی ہو چکا ہے —— اور بقیہ تین آیات میں ایمان کی نہایت مؤثر اور زور دار دعوت بھی آ چکی ہے۔ اس رکوع کے مضامین کی تقسیم و ترتیب کے ضمن میں ایک نہایت حسین توازن ہمارے سامنے آتا ہے' اور وہ یہ کہ جہاں ایمان کے بیان میں چار آیات توحید کے لئے وقف ہیں اور رسالت اور معاد دونوں کو تین آیات میں سمو لیا گیا ہے' وہاں دعوتِ ایمان کے ضمن میں توحید و رسالت پر ایمان کی دعوت صرف ایک آیت میں آ گئی ہے' جبکہ ایمان بالآخرت کے لئے نہ صرف یہ کہ دو نہایت عظیم اور پُر جلال آیات کلیتاً وقف ہیں بلکہ اس کا ذکر ضمنی طور پر توحید و رسالت پر ایمان کی دعوت والی آیت کے اختتام پر بھی موجود ہے —— اور اس کا سبب وہی ہے جس کی جانب اس سے قبل بھی اشارہ کیا جا چکا ہے' یعنی یہ کہ اگرچہ علمی اور نظری اعتبار سے اصل ایمان' ایمان باللہ ہے لیکن عملی اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر ایمان' ایمان بالآخرت ہے۔ اس عکسی ترتیب کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوا کہ چونکہ دوسرے رکوع میں ایمان کے عملی تقاضوں کا بیان آ رہا ہے لہٰذا پہلے رکوع کے اختتام پر ایمان بالآخرت کی نہایت مؤثر تاکید اس کے لئے حد درجہ مناسب تمہید بن گئی!

© rasailojaraid.co

ایمان کے پانچ بنیادی لوازم

اب ہم اللہ کے نام سے دوسرے رکوع کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ یہ رکوع آٹھ آیات پر مشتمل ہے' جن میں سے پہلی پانچ آیات میں ایمان کے پانچ بنیادی نتائج کا ذکر ہے اور بقیہ تین آیات میں ان عملی تقاضوں کو بالفعل ادا کرنے کی تاکیدی دعوت۔ لہٰذا پہلے ہم ابتدائی پانچ آیات کا مطالعہ کرتے ہیں' جن کا متن اور سلیس و رواں ترجمہ حسب ذیل ہے:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝﴾

(آیات ۱۱-۱۵)

"نہیں نازل ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے ...... اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اس کے) رسول ﷺ کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس اہلِ ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اے اہل ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' پس ان سے بچ کر رہو' اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔ بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے حق میں) فتنہ ہیں' اور اصل اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں جو آیات شامل ہیں ان میں نہایت جامعیت کے ساتھ ایمان کے مقتضیات و متضمنات، مضمرات و مقدرات، اور ثمرات و نتائج کا ذکر ہے۔ گویا ان مضمرات کو کھولا گیا ہے جو "ایمان" میں بالکل اسی طرح مخفی ہیں جیسے آم کی گٹھلی میں آم کا پورا درخت بِالقوّۃ (in potential) موجود ہوتا ہے، اس لئے کہ "ایمان" ایک خاص مابعد الطبیعیاتی فکر کا عنوان ہے جس سے انسان کا ایک خاص زاویۂ نظر بننا چاہئے اور انسان کے اندازِ فکر میں ایک مخصوص تبدیلی پیدا ہونی چاہئے، اور زاویۂ نگاہ اور طرزِ فکر کی اس تبدیلی کے نتیجے میں اس کی پوری زندگی میں ایک انقلاب آ جانا چاہئے۔ اگر یہ انقلاب بالفعل رونما نہیں ہوتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ ابھی ایمان کا اقرار صرف نوکِ زبان تک محدود ہے اور اس نے انسان کی فکر میں جڑیں نہیں پکڑیں۔ اس بات کو اس مثال سے نہایت آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک تو ایسا ٹنڈ منڈ درخت ہوتا ہے جس میں نہ پتے ہوتے ہیں، نہ پھول نہ پھل۔ اور ایک ایسا سرسبز و شاداب اور بار آور مُثمِر درخت ہوتا ہے جس میں خوبصورت پتے بھی ہیں اور حسین و دلفریب پھول یا میٹھے اور فرحت بخش پھل بھی۔ تو، معاذ اللہ، ایمانِ حقیقی کسی ٹنڈ منڈ درخت کے مانند نہیں ہوتا بلکہ ایک سرسبز و شاداب اور مثمر و بار آور درخت کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ایمان اقرارٌ بِاللّسان سے آگے بڑھ کر تصدیقٌ بِالقلب کی صورت اختیار کرتا ہے اور دل میں راسخ ہو جاتا ہے، گویا جب انسان کا باطن نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات اور اس کے ثمرات و نتائج انسانی شخصیت میں لازماً ظاہر ہوتے ہیں۔

اس بات کو یوں کہہ لیجئے کہ اگر کوئی شخص سلیم الفطرت ہے، گویا اس کے قلب کی زمین صالح ہے، تو جب اس میں ایمان کا بیج جمتا اور پھوٹتا اور نشو و نما پاتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس درخت میں خوبصورت پتے بھی لگتے ہیں اور حسین و جمیل پھول بھی، جو وقت آنے پر خوش ذائقہ اور رسیلے پھلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایمان کے اس شجرۂ طیبہ پر جن ثمراتِ طیبات کا ظہور ہوتا ہے ان میں سے پانچ کا ذکر ان پانچ آیات میں ہے۔ یعنی (۱) تسلیم و رضا (۲) اطاعت و انقیاد (۳)

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

توکل و اعتماد (۴) ان خطرات سے متنبہ اور چوکس و چوکنا رہنا جو علائقِ دنیوی خصوصاً بیویوں اور اولاد کی فطری محبت کے پردے میں انسان کے دین و ایمان اور آخرت و عاقبت کے لئے بالقُوہ مضمر ہوتے ہیں' اور (۵) مال و اولاد کے بارے میں آگاہ رہنا کہ یہ امتحان اور آزمائش کے ذرائع ہیں!

الغرض اگر کسی انسان کے دل میں ایمان حقیقی راسخ ہو جائے اور اس سے اس کا باطن منور ہو جائے تو اس کے نتیجے میں اس کی پوری شخصیت میں ایک تغیر اور انقلاب واقع ہو جاتا ہے' جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

حضرت علامہ نے تو یہ بات قرآن مجید کے بارے میں کہی ہے' لیکن چونکہ قرآن منبعِ ایمان ہے لہٰذا یہی بات ایمان کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ جب ایمان انسان کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے باطن میں ایک انقلاب آ جاتا ہے' اس کی سوچ بدل جاتی ہے' اس کا نقطۂ نظر تبدیل ہو جاتا ہے' اس کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے' اس کی اقدار تبدیل ہو جاتی ہیں۔ الغرض اس کی پوری سیرت و شخصیت' اس کا ہر فعل و عمل' اس کی پسند و ناپسند کا معیار اور اس کی سعی و جُہد کا رخ سب بدل کر رہ جاتے ہیں اور فی الواقع ایک بالکل نیا انسان وجود میں آ جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے محولہ بالا شعر کا دوسرا مصرعہ بہت معنی خیز بلکہ ذو معنی ہے' اس لئے کہ اس میں جہاں ایک جانب اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب انسان میں یہ باطنی تبدیلی آ جاتی ہے تو اس کے لئے تو کُل جہاں ہی تبدیل ہو جاتا ہے' وہاں اس عظیم حقیقت کی جانب بھی راہنمائی موجود ہے کہ افرادِ نوعِ انسانی کا یہ باطنی انقلاب ہی ایک عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بنتا ہے!

سورۃ التغابن کی جو پانچ آیات اس وقت زیرِ مطالعہ ہیں' ان میں اللہ تعالیٰ نے نہایت معجز نما اسلوب میں ان پانچ بنیادی تبدیلیوں کی نشاندہی کر دی ہے جو ایمان کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر' اس کے اندازِ فکر اور اس کے عملی رویّے اور روش میں نمایاں اور ظاہر ہو جانی چاہئیں۔ اس طرح ان آیات کے ذریعے ہمیں ایک کسوٹی مہیا ہو جاتی ہے جس

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پر اپنے ایمان کو پرکھ سکیں۔ چنانچہ اگر یہ اثرات و ثمرات ہماری شخصیتوں میں ظاہر ہو گئے ہوں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ایمانِ حقیقی کا نور ہمارے دلوں میں موجود ہے' اور اگر یہ ظاہر نہیں ہو رہے ہیں تو گویا یہ ایک تنبیہہ ہے کہ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کہیں ایمانِ حقیقی کی روشنی سے محروم تو نہیں ہیں!

ایمان کے پانچ اساسی ثمرات کا بیان ان آیاتِ مبارکہ میں جس حکیمانہ ترتیب کے ساتھ ہوا ہے اس کے صحیح فہم و شعور کے لئے پہلے اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ اولاً ہر انسان اپنی انفرادی حیثیت میں انسانی معاشرے کی مکمل اکائی کا درجہ رکھتا ہے' اور ثانیاً اس کا اپنے معاشرے اور ماحول کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہوتا ہے۔ پھر ایک فرد کی حیثیت سے بھی انسان کی شخصیت کے دو رُخ ہیں۔ یعنی ایک تو وہ خارجی حالات و واقعات اور تغیرات و حوادث ہیں جو اس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دوسرے وہ افعال و اعمال ہیں جو اس کے اعضاء و جوارح اور فی الجملہ پورے وجود سے "صادر" ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فرد اپنے گرد و پیش اور معاشرے و ماحول سے دو قسم کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے' ایک علائقِ دنیوی' اور دوسرے مال و اسبابِ دنیوی' جنہیں علامہ اقبال مرحوم نے نہایت خوبصورتی سے اس شعر میں سمو دیا ہے کہ۔

یہ مال و دولتِ دنیا' یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں' لا الٰہ الا اللہ!

پھر دو آیات میں انسان سے صادر ہونے والے اعمال و افعال کے ضمن میں دو پہلوؤں سے ایمان کے اثرات کا بیان ہے ـــــــ اور آخری دو آیات میں "مال و دولتِ دنیا" اور "رشتہ و پیوندِ دنیوی" کے ضمن میں ایک مؤمن کے نقطہ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔

۱۔ تسلیم و رضا

سب سے پہلی بات مصائبِ دنیوی کے بارے میں فرمائی گئی۔ فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ "نہیں نازل ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے"۔ آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں معانی و مفاہیم کا ایک خزینہ پنہاں ہے۔ اس

© rasailojaraid.com

کی قدرے تشریح و توضیح کی جائے تو وہ یہ ہوگی کہ اگر تم ایک علیم اور حکیم اللہ کو مانتے ہو کہ وہ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے' اور یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ وہی اس کائنات کا اصل حکمران ہے اور اس کے اِذن کے بغیر ایک پتہ تک نہیں ہل سکتا تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی مصیبت' کوئی تکلیف' کوئی نقصان' کوئی حادثہ' کوئی موت' کوئی افتاد اور کسی بھی قسم کے ناخوشگوار واقعات و حوادث اِذنِ خداوندی کے بغیر وارد اور ظہور پذیر نہیں ہو سکتے ___ اب جو چیز اُس اللہ کے اِذن سے ہو جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی' علیم بھی ہے اور خبیر بھی اور ان سب پر مستزاد کامل حکیم بھی' تو اس پر شکوہ و شکایت کیسی اور اس پر دل میں تکدر کیوں؟ واضح رہے کہ یہاں اس صدمہ اور ملال کی بات نہیں ہو رہی جس کا فوری اور غیر اختیاری اثر طبیعت پر ہوتا ہے بلکہ یہاں اس حقیقت کی جانب رہنمائی ہو رہی ہے کہ بندۂ مومن کا قلب ناخوشگوار واقعات و حوادث سے کوئی مستقل تاثر قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ نہ اس کی زبان پر گلہ اور شکوہ آتا ہے اور نہ ہی اس کے دل میں اپنے رب کی جانب سے کسی بدگمانی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے' بلکہ ان مصائب و آلام پر بھی اس کا ردِّ عمل بالکل وہی ہوتا ہے جو اس مصرعے میں بیان ہوا کہ ۔ ہرچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است (میرے ساقی نے میرے پیمانے میں جو بھی ڈال دیا ہے وہ سراسر اس کا لطف و کرم ہے) اس لئے کہ توحید پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ جملہ واقعات و حوادث خواہ وہ اس عالمِ اسباب و علل کے کتنے ہی طول طویل سلسلے کے نتیجے میں ظہور پذیر ہو رہے ہوں چونکہ ان جملہ اسباب و علل کا آخری سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے لہٰذا مسبّبِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ لہٰذا ان حوادثِ دنیوی پر ایک بندۂ مومن کا ردِ عمل یہی ہونا چاہئے کہ اگر میرے رب کو یہی منظور ہے تو میں بھی اس پر راضی ہوں۔ اسی کو مقامِ تسلیم و رضا کہتے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے ۔

برون کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا

یعنی اس مقامِ رضا نے میرے کیسے کیسے عقدے حل کر دیئے کہ میں اس پیچ و تاب سے بالکل نجات پا گیا کہ ایسا کیوں ہے اور ویسا کیوں نہیں ہے اور یہ کیوں ہوا' وہ کیوں نہ ہوا؟ چنانچہ

© rasailojaraid.

اسی کا ذکر ہے آیت کے بقیہ حصے میں کہ : ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ "اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے' اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے"۔ یعنی جب انسان قلبی ایمان و یقین کے نتیجہ میں اس حقیقتِ نفس الامری کا ادراک حاصل کر لیتا ہے کہ اس کائنات اور عالمِ اسباب و علل میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اذنِ خداوندی سے ہو رہا ہے تو اللہ اس کے دل کو تسلیم و رضا کی ہدایت بخشتا ہے اور اسے قلبی اطمینان و سکون کی دولت سے نوازتا ہے۔ اور جب انسان اس مقامِ تسلیم و رضا پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے احساسات فی الواقع یہ ہو جاتے ہیں کہ مجھے بھی وہی پسند ہے جو میرے رب نے میرے لئے پسند کیا ہے' وہ میرا مولیٰ ہے' آقا ہے' پروردگار ہے' خالق و مالک ہے اور مزید برآں میرا خیر خواہ ہے' جو میری مصلحتوں کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے ____ لہٰذا مجھے اس کا ہر فیصلہ بسر و چشم قبول ہے۔ گویا ع

"سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے"

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ۔

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

جب کسی بندۂ مومن کے دل میں راضی برضائے رب ہونے کی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو اسے سینکڑوں الجھنوں سے نجات مل جاتی ہے' اور اس کے نہاں خانہ قلب میں نہ حزن و ملال مستقل طور پر ڈیرہ ڈال سکتے ہیں' نہ حسرتوں کے الاؤ سلگتے ہیں اور نہ ہی اسے گوناگوں قسم کی محرومیوں اور دل شکنیوں کے اس کرب سے سابقہ پیش آتا ہے جو بسا اوقات اختلالِ ذہنی کا سبب بنتا ہے اور اگر شدت اختیار کر جائے تو خود کشی تک پر منتج ہو جاتا ہے۔

۲۔ اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت

اب آیئے دوسرے رخ یعنی ان اَفعال و اعمال کی طرف جو ہم سے صادر ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی اصلاً جو ہمارے ارادے کے تابع ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے جسم کے بہت سے اعضاء تو وہ ہیں جو اپنے فطری وظائف از خود ادا کرتے رہتے ہیں اور ان کے فعل

© rasailojaraid

میں ہمارے شعور اور ارادے کا دخل نہیں ہوتا۔ ایسے غیر ارادی افعال کے ضمن میں، ظاہر ہے کہ ہماری کوئی اخلاقی مسئولیت نہیں ہے۔ لیکن ہماری زندگی کی اصل باگ ڈور جن ارادی اور اختیاری افعال و اعمال سے عبارت ہے ان کے ضمن میں ایمان کا جو لازمی نتیجہ نکلنا چاہئے اس میں مقدّم ترین شے ہے اطاعت ـــــ یعنی یہ کہ ہمارے اعضاء و جوارح سے کوئی عمل اللہ کے حکم کے خلاف صادر نہ ہو، اس لئے کہ اگر ہم اللہ پر ایمان لانے کے مدّعی ہیں اور ہم نے دلی یقین کے ساتھ اللہ کو مانا ہے تو ہم پر لازم اور واجب ہے کہ ہم کوئی کام اور کوئی حرکت ایسی نہ کریں جس سے اللہ کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو یا اس کی نافرمانی کا ارتکاب ہوتا ہو۔ چنانچہ ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو اللہ کو ناپسند ہو اور ہمارے ہاتھ پاؤں کسی ایسے کام کے لئے حرکت میں نہ آجائیں جو حکمِ خداوندی کے خلاف ہو۔ پھر معاملہ صرف اللہ کا نہیں بلکہ اس کے رسولؐ کا بھی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت ہر انسان کے پاس براہِ راست نہیں بھیجی۔ اس دنیا میں ہدایتِ ربانی کا ذریعہ رسول ہوتے ہیں، لہٰذا اللہ کی اطاعت اس کے رسولؐ کے واسطے سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اطاعت کے باب میں اللہ اور اس کا رسولؐ باہم اس طرح جمع ہیں گویا وہ ایک وحدت ہیں۔ لہٰذا اگلی آیت کے پہلے حصہ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ "اور اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو (اس کے) رسول ﷺ کی" ـــــ گویا مدعیانِ ایمان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ جب تم نے مانا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کو تو اس ایمان کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ تمہارے اعضاء و جوارح سے جو بھی اعمال و افعال صادر ہوں، وہ سب کے سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ یہ ایمان کا دوسرا لازمی نتیجہ ہے۔

اطاعت کے حکم کے ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی فرما دی کہ: ﴿فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ۝﴾ "پھر اگر تم نے روگردانی کی (پیٹھ موڑلی، اعراض کیا) تو (جان رکھو کہ) ہمارے رسولؐ پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے"۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے روگردانی اور ان کی تکذیب سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، انسان خود اپنی عاقبت خراب کرتا ہے اور آخرت

© rasailojaraid.com

میں سزا و عذاب کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ اسی طرح رسولؐ پر بھی سوائے صاف صاف پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر رسولؐ نے اپنی یہ ذمہ داری پوری کر دی ہے تو وہ آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ تمہاری جانب سے جوابدہ نہیں، تمہیں اپنے اعمال و افعال کی خود جوابدہی کرنی ہوگی، اپنے بھلے برے، اپنے نفع و نقصان اور اپنی کامیابی یا ناکامی کے ذمہ دار تم خود ہو گے!

۳۔ توکّل علی اللہ

ہمارے وجود سے صادر ہونے والے افعال و اعمال کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ چنانچہ اس کو بھی یہاں واضح کر دیا گیا، ارشاد ہوتا ہے : ﴿اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ "اللہ ہی ہے وہ ذات جس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اہل ایمان کو صرف اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہئے!" یعنی ایمان کے نتیجہ میں ہمارا سارا بھروسہ، سارا تکیہ، سارا اعتماد اور سارا توکّل اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اگرچہ ہم اس اسباب و علل کی دنیا میں ساز و سامان اور ذرائع و وسائل سے مستغنی نہیں ہو سکتے اور اپنی امکانی حد تک ہمیں اسباب بھی فراہم کرنے ہوں گے، جیسے ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

﴿وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ....﴾ یعنی "اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے تیاری کرو اور مقدور بھر جو ساز و سامان فراہم کر سکتے ہو فراہم کرو" (سورۃ الانفال : ۶۰) اور جیسے حضورؐ نے تعلیم دی کہ "پہلے اونٹ کو باندھو، پھر اللہ پر بھروسہ کرو" جس کی بہترین ترجمانی مولانا روم نے اس مصرع میں فرمائی ہے ؏ "بر توکّل زانوئے اشتر بہ بند!" چنانچہ اپنی استطاعت کے مطابق دنیوی اور مادی اسباب اور ساز و سامان فراہم کرنا ایمان کے منافی نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو گیا کہ مجرد ان اسباب و وسائل اور ساز و سامان سے کام ہو جائے گا، گویا اصل بھروسہ، اعتماد اور تکیہ اپنی محنت، اپنی تیاری اور اپنے ساز و سامان پر کیا اور اصل توکّل مادی اسباب و وسائل پر کیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کی ذات سے ہماری نگاہیں ہٹ گئیں اور ہم اس سے محجوب ہو گئے، اس کی کمال قدرت کا یقین دل میں قائم نہیں رہا۔ حاصل کلام یہ کہ اس عالمِ اسباب میں

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

محنت و کوشش اپنی جگہ ضروری ہے اور امکانی حد تک اسباب و وسائل کی فراہمی اور ان کا استعمال بھی لازمی ہے' لیکن توکّل صرف اور صرف اللہ کی ذات پر ہو گا۔ ان تین آیاتِ مبارکہ میں انفرادی سطح پر ایمان کے ثمرات و نتائج کا بیان مکمل ہو گیا۔

۴۔ طبعی محبتوں کے ضمن میں احتیاط

انسان اس دنیا میں تنہا نہیں رہتا۔ مدنیت اس کی جبلّت اور طبیعت میں رچی بسی ہے۔ لہٰذا وہ اس دنیا میں بہت سے تعلقات میں جکڑا ہوا ہے جن کے کئی دائرے ہیں۔ ایک دائرہ اس کے والدین' بھائی بہن اور بیوی بچوں کا ہے۔ دوسرے دائرے میں رشتہ دار اور اعزّہ واقارب ہیں۔ پھر کنبے اور قبیلے کا دائرہ اور اس کے بعد قوم کا دائرہ ہے اور بالآخر یہ سلسلہ پوری نوعِ انسانی تک پھیل جاتا ہے۔ ان سب کو ایک لفظ میں جمع کیا جائے تو وہ ہے "علائقِ دنیوی"۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تمدن و تہذیب کی گاڑی کو چلانے کے لئے ان علائقِ دنیوی کے ضمن میں بہت سی فطری محبتیں انسان کے دل میں ڈال دی ہیں۔ انسان کو والدین' بہنوں اور بھائیوں' بیوی' اولاد اور رشتہ داروں سے محبت ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان محبتوں میں سب سے زیادہ قوی محبت بیویوں اور اولاد کی محبت ہے۔ اس طبعی محبت کی طرف اگلی آیت میں متنبہ فرمایا گیا کہ اگر اس میں حدِ اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو یہی محبت انسان کے لئے دشمنی کا روپ دھار لے گی۔ لہٰذا اس کے ضمن میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ "اے اہلِ ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' پس ان سے ہوشیار رہو" —— یہ انتباہ اس لئے ضروری ہے کہ فی الواقع ان محبتوں میں انسان کے لئے بالقوّہ خطرہ موجود ہے' اس لئے کہ اگر آخرت نہ ہوتی اور حساب کتاب نہ ہوتا اور کوئی جواب دہی نہ ہوتی تب تو کوئی تشویش کی بات نہ ہوتی۔ اس صورت میں تو انسان کو کھلی چھٹی ہوتی کہ بیویوں کی فرمائشیں پوری کرے' خواہ حلال سے کرے' خواہ حرام سے کرے' اولاد کو اچھے سے اچھا کھلائے اور پہنائے اور ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلانے کی فکر کرے' چاہے جائز ذرائع آمدنی سے

© rasailojaraid.com

ہو' چاہے ناجائز آمدنی سے ہو ـــــ لیکن جب یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ یہ زندگی تو بہت عارضی اور مختصر ہے' اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جسے کبھی ختم نہیں ہونا اور اصل فیصلے کا دن تو قیامت کا دن ہے یعنی وہی ہے ہار اور جیت کے فیصلے کا دن! پس اگر اس حقیقت کے جاننے کے بعد بھی تم نے اپنی بیویوں اور اولاد کی محبت سے مغلوب ہو کر اور ان کی خوشنودی کی خاطر اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں منہ مارا' ناجائز آمدنیوں کا رخ کیا اور ان کو عیش کرانے اور ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے تم نے حلال و حرام کی تمیز کو ختم کر دیا اور جائز و ناجائز کا خیال نہ رکھا تو جان لو کہ یہ تمہارے حق میں محبت نہیں' دشمنی ہے' اور اگر تم محتاط' چوکس اور چوکنے نہ رہے تو یہی بے جا محبت اور لاڈ پیار تمہاری عاقبت کی بربادی کا سبب بن جائے گا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "بڑا ہی نادان ہے وہ شخص جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت تباہ و برباد کر لی۔"

آیت کے دوسرے حصے میں ارشاد ہوتا ہے : ﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ "اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے" ـــــ آیت کے اس حصے میں جہاں فصاحت و بلاغت کا کمال سامنے آتا ہے وہاں صحیح اور معتدل رویّہ اختیار کرنے کی نہایت پر زور اور مدلّل دعوت بھی سامنے آتی ہے۔ چنانچہ جہاں اس پر زور دیا گیا کہ تمہاری بیویوں اور اولاد میں تمہارے حق میں بالقوّہ دشمن ہیں لہٰذا اپنا تحفظ کرو کہ کہیں ان کی محبت تمہیں جادۂ حق سے منحرف نہ کر دے اور تمہاری عاقبت تباہ نہ کرا دے' وہاں دوسری طرف اس کو متوازن کیا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ تمہارے مزاج میں خشونت' درشتی اور سختی کا غلبہ ہو جائے اور گھر میدانِ جنگ کا سماں پیش کرنے لگے' اور محبت' شفقت اور نرمی کا ظہور بالکل نہ ہو۔ لہٰذا اس اعتبار سے تو ضرور چوکس اور چوکنا رہو کہ ان کی محبت کہیں غفلت میں تم سے دین کے خلاف کوئی کام نہ کرا لے۔ لیکن ان کی صحیح تربیت کے لئے محبت' شفقت اور نرمی لازمی ہے' لہٰذا عفو اور درگزر بھی ضروری ہے!

یہاں غور کیجئے کہ اس عفو و درگزر کے لئے دلیل کیا دی جا رہی ہے! اور پھر اس میں کتنی مؤثر اپیل مضمر ہے! ـــــ یعنی یہ کہ اللہ بھی تو غفور اور رحیم ہے' ذرا سوچو کہ اللہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

نے تم کو کتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔ اپنے باطن میں جھانک کر دیکھو کہ کتنے مفاسد لئے پھر رہے ہو لیکن اللہ پھر بھی چشم پوشی کئے ہوئے ہے اور تمہیں مہلت دے رہا ہے اور اس کی ربوبیت اور جُود و سخا کا سلسلہ جاری ہے۔ للہٰذا تم کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں اور اولاد کے لئے یہی رویّہ اختیار کرو۔

میرے نزدیک یہ آیت قرآن حکیم کے ان خاص مقامات میں سے ہے جہاں ذہنِ انسانی بے اختیار یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ یہ توازن اور اعتدال صرف اللہ ہی کے کلام میں ممکن ہے ـــــ الغرض یہ آیتِ مبارکہ جملہ علائقِ دنیوی کے ضمن میں ایک بندۂ مومن کے زاویۂ نگاہ اور اندازِ فکر کے ساتھ اس کے عملی رویّے کو بھی متعین کر دیتی ہے۔ اس لئے کہ جب محبوب ترین علائق کے ضمن میں ہدایت مل گئی تو علائقِ دنیوی کے دوسرے دائرے تو بہرحال ان کے مقابلے میں ثانوی حیثیت کے حامل ہیں۔

۵۔ مال اور اولاد فتنہ ہیں!

اس دنیا میں علائقِ دنیوی کے ساتھ جس دوسری چیز سے انسان بندھا ہوا ہے وہ مال و اسبابِ دنیوی ہیں جن سے انسان کی حیاتِ دنیوی کی ضروریات پوری ہوتی ہیں' یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایک دوسرے مقام پر (سورۃ النساء : ۵) انہیں حیات دنیوی کے بقاء اور قیام کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ للہٰذا ان سے ایک طبعی اور قدرتی لگاؤ بھی انسان کی جبلّت کا جزوِ لاینفک ہے۔ لیکن اگر اس طبعی لگاؤ میں شدت پیدا ہو جائے اور یہ چیزیں فی نفسہٖ محبوب اور مطلوب و مقصود بن جائیں تو آخرت اور عاقبت کے اعتبار سے ان سے زیادہ مضر اور تباہ کن اور کوئی چیز نہیں ہوتی ـــــ پھر اپنے دنیوی مستقبل کے لئے انسان جس طرح پس انداز اور جمع شدہ مال پر تکیہ کرتا ہے ایسے ہی اولاد سے بھی امیدیں لگاتا ہے۔ للہٰذا اس مقام پر مال کے ساتھ اولاد کا ذکر دوبارہ کر دیا گیا کہ ہوشیار رہو کہ ان دونوں کی محبت تمہارے حق میں فتنہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : ﴿اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ﴾ "بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے حق میں فتنہ ہیں" ـــــ فتنہ

© rasailojaraid
© rasailojaraid

کے لغوی معنی "کسوٹی" کے ہیں۔ یعنی وہ چیز جس پر پرکھ کر دیکھا جاتا ہے کہ سونا خالص ہے یا اس میں کھوٹ اور ملاوٹ ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کو بتایا جا رہا ہے کہ اس دنیا میں مال اور اولاد تمہارے لئے کسوٹی ہیں' یعنی تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں اور ان پر تم کو پرکھا جا رہا ہے کہ کہیں تم ان کی محبت سے مغلوب ہو کر اللہ کو بھول تو نہیں جاتے اور اس کے اوامر و نواہی سے بے پروا ہو کر اپنی عاقبت تو خراب نہیں کر لیتے ____!

اس آیت کا اختتام ان الفاظِ مبارکہ پر ہوتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ "اور اللہ ہی کے پاس ہے اجرِ عظیم!" ____ گویا امیدیں وابستہ کرنی ہیں تو اللہ سے کرو' امیدوں کو بر لانے والا' توقعات کو پورا کرنے والا اور تمہاری محنت کی صحیح اجرت دینے والا تو حقیقت میں صرف اللہ ہی ہے۔ لہٰذا اپنی ذاتی صلاحیتوں اور قوتوں کے علاوہ اپنے مال اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی راہ میں لگاؤ۔ عام طور پر انسان کی تمام توانائیاں اور اس کا کل وقت یا زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے کی خاطر صرف ہوتا ہے یا اولاد پر صرف ہو جاتا ہے' اور انسان توقع کرتا ہے کہ اولاد اس کے بڑھاپے کا سہارا بنے گی۔ جبکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان مال و اسبابِ دنیوی کو صرف حیاتِ دنیوی کی ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ سمجھے اور اس سے دلی محبت نہ رکھے اور اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو بھی اللہ کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داری کی حیثیت سے ادا کرے' نہ کہ طبعی محبت کی بنیاد پر' یا اسے اپنے مستقبل اور بڑھاپے کا سہارا سمجھ کر ____ اور اپنی سعی و جہد کا اصل مطلوب و مقصود اللہ کی رضاجوئی اور آخرت کی فلاح کو قرار دے۔ (جاری ہے)

* * *

انٹرنیٹ کی سہولت رکھنے والوں کے لئے E-mail اور Web page کا ایڈریس

E-mail : anjuman@brain.net.pk

URL. http://www.tanzeem.org

© rasailojaraid.